وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللهِ اَمْوَاتٌ
بَلْ أَحْيَاءٌ وَلٰكِنْ لَا تَشْعُرُونَ (القرآن)

اَلْاَنْبِيَاءُ أَحْيَاءٌ فِي قُبُورِهِمْ يُصَلُّوْنَ (الحدیث)

جمالِ قاسمی

(متعلقہ حصہ عقیدہ حیات النبی ﷺ)

تالیف:

حجۃ الاسلام، آیۃ من آیات اللہ

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

انما انا قاسم واللہ یعطی

مکتوبات قاسمی

یعنی

جمالِ قاسمی

۱۹۴۹ء

ازافاضات قاسم العلوم والخیرات حضرت
مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

بانتظام خاص

حافظ محمد ارشد حسن صاحب منیجر کتب خانہ اشرفیہ دیوبند نے

کتب خانہ اشرفیہ راشد کمپنی دیوبند ضلع سہارنپور سے
شائع کیا

کتب خانہ اشرفیہ راشد کمپنی دیوبند ضلع سہارنپور

ہر قسم کی درسی اور غیر درسی کتب نہایت ارزاں اور عمدہ ملنے کا پتہ کتب خانہ اشرفیہ راشد کمپنی دیوبند ضلع سہارنپور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(حرفے چند)

الامام الکبیر مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

پیدائش: ۱۸۳۳ء ...... وفات: ۱۵/اپریل ۱۸۸۰ء

اس مجموعہ میں مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا مکتوب گرامی جو مخدوم زادہ مولانا سید ... جمال الدین شاہ صاحب کے نام اور حیات النبی ﷺ کے عنوان پر ہے، شامل اشاعت ہے۔ یہ ۳/ذیقعدہ ۱۲۹۵ھ مطابق ۲۹/اکتوبر ۱۸۷۸ء کا تحریر کردہ ہے۔ ''جمال قاسمی'' کے نام پر کتب خانہ اشرفیہ ارشد کمپنی دیوبند کے نسخہ سے لیا ہے۔ اس رسالہ ''جمال قاسمی'' میں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے دو مکتوب تھے۔ پہلا ''وحدۃ الوجود'' کے عنوان پر جو ہمارے اس مجموعہ کے موضوع سے غیر متعلق تھا، اس لئے اسے حذف کر دیا۔ دوسرا مکتوب اس مجموعہ کے موضوع سے متعلق تھا، وہ لے لیا ہے۔ آپ بھی پڑھیں۔

والسلام! (ناشر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جمال قاسمی

الحمد للہ الذی اھتدی والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ محمد المصطفیٰ وعلیٰ آلہ واصحابہ المجتبیٰ

اس کے بعد اخلاص آئین فقیر مسکین محمد جمال الدین دہلوی علوی تجاوز اللہ تعالیٰ عن ذنوبہ الجلی والخفی عرض کرتا ہے کہ طالب علمی کے زمانہ میں ایک مخلص محب بزرگ مشفق برگزیدہ مولوی حافظ حاجی محمد قاسم صاحب صدیقی نانوتوی حنفی چشتی مرحوم زمانہ کے امام حدیث ہونے کے سواء تصوف میں صوفی صافی، فقیر کے نام کے جو خطوط اُن کے لکھے ہوئے تھے، ان کی موجودگی کے استغنائی سے بے احتیاطی نے تلف کردیئے اور جو فقیر کی معرفت اکثر خطوط گئے اسی وجہ سے نقل نہ ہوئے۔

آخر سو رسائل ہندسہ، ہیئت فلاحت طبعی، جبر و مقابلہ، جرثقیل وغیرہا علوم میں ایک ایک ورق لکھنے کی فرمائش کی۔ بار بار تقریباً مہینے بھر تک مولوی صاحب اصرار کے کئے گئے کہ ہر رسالہ کی ایک ایک ورق کی قید نہ لگایئے، کیونکہ میں قلم کے ہاتھ سے لاچار ہوں۔ فقیر نے اس سبب سے کہ یادگار ضرور کم از کم سو جزو سے بڑھ جاوے گی تو بوجہ اپنی بے سروسامانی کے چھپنے سے رہ جاوے گی، قلم کے اختیار کی رخصت نہ دی۔ اس باعث یہ کام ناتمام رہا۔ مدت کے بعد ان کے امراض کی ترقی کی حالت میں وحدۃ الوجود اور سماع اموات کا اثبات جس کے اظہار سے بفحوائے:

حیف باشد ایں سخن در گوش عام طوطیا در چشم نابینا کہ کرد

عوام سے چھپایا کرتے تھے۔ بشکل خطوط کے ذریعہ سے قلم کو رخصت دے کر لکھوا ہی لیا اور آخر عمر کی اس آخری تحریر کی کسی کو خبر نہ ہوئی۔ ۱۲۹۰ھ میں فقیر نے اُن کے شاگرد مولوی محمود حسن صاحب دیوبندی مدرس دیوبند وغیرہ کو اشاعت کی اُمید پر نقل دے دی۔ وعدہ وفا نہ ہوا۔ بہت انتظار کے بعد فقیر نے اپنے رسالہ ’’جمال العارفین‘‘ کے آخر میں اس کے چھپوانے کا وعدہ کرلیا تھا۔ سو بفضلہ تعالیٰ اب اسے پورا کرتا ہوں۔ اس کی تاریخ ’’آفتاب‘‘ ضیاء، ۱۲۹۵ھ‘‘ اور ’’جمال قاسمی‘‘ سے اسے نامزد کرکے اپنے خاتمہ بالخیر کی استدعا کرتا ہوں۔ گو ایسے مضامین اور ایسوں کی لڑی کے قابل اپنے آپ کو نہیں جانتا مگر آخر پتے پھولوں کے اور سوت موتیوں اور مصری کے کوزوں کے ساتھ ہاتھوں ہاتھ رہتے ہیں۔ عجب نہیں کہ ایسوں کے نام کے ساتھ نام رہنے سے یہ نامہ سیاہ بھی ہمیشگی کے ساتھ مستحق ہو جاوے اور اتحاد قدیم کی وجہ سے المرء مع من احب کا مورد بن جائے۔

پہلا مکتوب

(پہلا مکتوب ’’وحدۃ الوجود‘‘ کے مسئلہ پر مشتمل ہے جس کا ہمارے زیر ترتیب مجموعہ کے ساتھ تعلق نہیں۔ اس لئے اس کو حذف کردیا گیا ہے)

دوسرا مکتوب

مخدوم و مخدوم زادۂ آفاق

جناب مولوی سید محمد جمال الدین شاہ صاحب سلمکم اللہ تعالیٰ!

یہ آپ کا نیاز مند محمد قاسم اوّل سلام مسنون عرض کرتا ہے اور پھر یہ عرض کرتا ہے، چند روز ہوئے آپ کا عنایت نامہ فیض سرفرازی کا باعث ہوا، اُس کا شکر یہ ادا کرتا ہوں اور اس تقصیر تاخیر جواب کا عذر عرض کرتا ہوں۔

ان شاء اللہ تعالیٰ تا مقدور فی الفور جواب نامہ عرض کرتا ہوں۔ جواب سوال بن پڑتا یا نہ بن پڑتا پر کیا کروں اُن دنوں یہ خستہ جان مبتلائے بلا تھا، داڑھ کے درد نے ایسا بے تاب و توان کر رکھا تھا کہ کیا عرض کروں۔ اُس کے بعد ناتوانی نے کچھ نہ ہونے دیا۔ وہ کچھ کم ہوئی تھی تو کچھ کچھ اعضاء شکنی اور خفیف سا بخار دم ساز رہنے لگا، ہمت تو آج بھی جواب دیتی ہے مگر کب تک یہ انتظار کی جائے کہ طاقت آئے اور نقاہت جائے اور میں جواب لکھوں۔ اپنی معلومات ہی کتنی ہے جس کے واسطے اتنا انتظار کیا جائے اور آپ سے انتظار کرائیے جو کچھ ہے ابھی عرض کئے دیتا ہوں۔

سماعِ اموات سے متعلق چند تنبیہات

سماعِ اموات کے قصے میں اوّل تو یہ معروض ہے کہ یہ اُمر قدیم سے مختلف فیہ ہے۔ دوسرے ضروریات دینی اور عقائد ضروریہ میں سے نہیں۔ اس کی تنقیح قرار واقعی تو بعد مرگ ہی معلوم ہوگی۔ اگر بعد مرگ ہم نے اوروں کا سلام و پیام سُن لیا تو سماع، نہیں تو عدمِ سماع محقق ہو جائے گا۔ علاوہ بریں طرفین میں بڑے بڑے اکابر، اگر ایک طرف میں بالکل ہو رہئے تو کسی نہ کسی طرف والوں کو بُرا سمجھنا پڑے گا۔ اس لئے اہل اسلام کو یہ ضروری ہے کہ ایسے مسائل میں خواہ مخواہ ایسے پکے نہ ہو بیٹھیں کہ دوسری طرف کو بالکل باطل سمجھ لیں۔ جب یہ بات گوش گزار خدام ہو چکی تو اب آگے سنئے۔

استماعِ اموات ممکن ہے

اپنے خیالِ نارسا کے موافق سمعِ اموات، حدِ اسماع سے تو پرے ہے، پر استماعِ اموات ممکن ہے۔ یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ خدا نے تو انک لا تسمع الموتی فرمایا اور رسول اللہ ﷺ نے باوجود اس کے سلام اہل قبور مسنون کر دیا۔ اگر استماع ممکن نہیں تو پھر یہ بے ہودہ حرکت یعنی سلام اہل قبور ملحدوں کی زبان درازی کے لئے کافی ہے۔

اِجمال کی تفصیل

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ کبھی آواز میں ایسی قوت ہوتی ہے کہ بے تکلف ہر صاحب سمع اُس کو سُن لیتا ہے اس صورت میں تو سمع سامعین حدِ اسماع میں ہوتا ہے اور کبھی بوجہ ضعف آواز متکلم سننے والوں کو سر جھکانے اور کان لگانے کی ضرورت پڑتی ہے۔ اِس صورت میں اصل میں تو سمع سامعین حدِ اسماع سے خارج ہوتا ہے پر بعد سر جھکانے اور کان لگانے کے حدِ اسماع میں آجاتا ہے۔

اِس لئے اس کو استماع کہئے اور نفی اسماع کی جائے تو بجا ہے۔ کیونکہ بوجہ ضعف آواز عدم اسماع تو ظاہر ہے مگر سامعین کی طرف سے اہتمام ہو تو اُن کی طرف سے اخذ اور نقل ہوا، اور ظاہر ہے کہ استماع میں بہ نسبت سماع ایک مضمون اخذ ہوتا ہے۔

چنانچہ خواص ابواب کے جاننے والے اور محاورات عرب کے پہچاننے والے ان فرقوں کو خوب جانتے ہیں۔

رُوح کی حیات اور صفات حیات ذاتی ہیں

یہ مقدمہ تو معروض ہو چکا۔ اب آگے چلئے رُوح کی حیات اور صفاتِ حیات یعنی وہ صفات جو حیات پر موقوف ہیں۔ مثل سمع و بصر، اصلی اور ذاتی ہیں یعنی یہ صفات رُوح سے صادر ہوتی ہیں اور عالم اسباب میں اس کے حق میں خانہ زاد ہیں، اور جسم کی حیات اور صفات مذکورہ عرضی ہیں۔ یعنی عطائے رُوح ہیں، رُوح سے صادر ہو کر اُس پر واقع ہوتی ہیں۔ اتنا فرق ہے کہ حیات جو تمام صفات رُوحانی کی اصل ہے تمام جسم کو محیط ہوتی ہے اور قوت باصرہ اور قوت سامعہ وغیرہ قویٰ خاصہ اعضائے مخصوصہ کے ساتھ مخصوص ہوتی ہیں۔ مگر ہر چہ بادا باد، جو کچھ ہے وہ فیض رُوحانی ہے۔ یہی وجہ ہے جب تک تعلق رُوحانی ہے جب ہی تک حیات جسمانی اور صفات رُوحانی کی بھی جسم میں جلوہ گری ہے ورنہ جیسے قبل تعلق کچھ نہ تھا ایسے ہی بعد انفکاک تعلق بھی کچھ نہیں رہتا۔

تعلق قائم ہونے سے پہلے اور ختم ہونے کے بعد کا فرق

البتہ قبل حدوث تعلق اور بعد انفکاک تعلق میں اتنا فرق ہوتا ہے جیسے قبل محبت اور بعد فراق میں ہوتا ہے۔ یعنی قبل تعلقِ محبت محبوب سے کچھ تعلق نہیں ہوتا اور جب تعلق محبت ہو چکا تو پھر بعد فراق ہر دم محبوب کا دھیان رہتا ہے اور اس لئے اس وقت جتنی محبوب کی خبر ہوتی رہے گی اُتنی قبل تعلقِ محبت ہرگز نہ ہوتی۔ وجہ اس کی وہی ہے کہ اب بطور استماع مذکور ادھر سے تلقی اور اخذ رہتا ہے۔

تعلق محبت اور تعلق رُوح میں تشابہ کی وجہ

وجہ اس تشابہ کی تو اسی سے ظاہر ہے کہ رُوح اصل میں ایک عالم علوی کا نور پاک اور جسم اس عالم سفلی کی ایک مشت خاک اور ظاہر ہے کہ: چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ پھر جو موت یعنی فراق جسم خاکی ناگوار ہے تو وجہ اس کی بجز اس کے اور کیا ہے کہ بوجہ کمال انقیاد و کمال انتفاع طول صحبت رُوح کو جسم خاکی سے محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ کمال انقیاد تو اس سے زیادہ اور کیا ہوگا کہ رُوح کے اشاروں پر کام کرتا ہے اور بے سوچے سمجھے اطاعت میں سرگرم رہتا ہے اور کمال انتفاع اس سے زیادہ اور کیا ہوگا کہ تمام قویٰ رُوحانی بواسطہ اعضائے جسمانی کام کرتے ہیں وہ نہ ہوں تو یہ سب بے کار ہیں۔ باقی طول صحبت تو خود ظاہر ہے اور اگر طول صحبت بعضے افراد میں نہ ہو تو وہی دو وجہ کافی ہیں۔ اس صورت میں بعد فراق توجہ الی الجسم ضروری ہے اور اس لئے اس کے احوال کی تلقی بقدر امکان قریب الوقوع۔

سماع کا ذریعہ اور سبب کیا ہے؟

جب یہ مقدمہ بھی ذہن نشین ہو چکا تو اصل مطلب سنئے۔ حسب تحقیق اہل عقل سماع احیاء بذریعہ ہوا ہے اور کیوں نہ ہو کوئی دیوار اور چھت اگر بیچ میں حائل ہو جاتی ہے تو بسا اوقات باوجود قرب آواز نہیں پہنچتی اور یوں

(یعنی بغیر حائل) دُور دُور تک جاتی ہے پھر جدھر کی ہوا ہوتی ہے اُدھر زیادہ جاتی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ واسطہ وصول آواز متکلم اور موصلِ آواز یہ ہوا ہے مگر چونکہ بظاہر کیفیت وصول یہ ہوتی ہے کہ آواز جواز قسم کیف ہے بجر دصد در ہوا میں آ جاتی ہے اور جیسے پانی میں ڈھیلا مارنے سے چاروں طرف لہریں اُٹھتی ہوئی چلی جاتی ہیں ایسے ہی بجر دصد ور آواز ہوا میں وہ کیفیت آ کر چاروں طرف کو پھیل جاتی ہے اور اس وجہ سے گوش سامع تک پہنچ جاتی ہے۔ اس لئے یہ یقین ہوتا ہے کہ ہوا کی یہ لچک کیفیت آواز کو یوں اُڑاتی پھرتی ہے۔ اگر یہ لچک ہوا میں نہ ہوتی تو یہ پرواز آواز بھی یوں نہ ہوا کرتی۔

ہوا کی طرح آب وخاک بھی اپنی لچک کے موافق آواز پہنچا سکتے ہیں

مگر یہ ٹھہری تو پھر یہ بھی یقینی ہے کہ آب وخاک بھی اپنی اپنی لچک کے موافق آواز کو پہنچا سکتے ہیں۔ کیونکہ ان دونوں میں بھی یہ لچک موجود ہے بہت نہیں تھوڑی ہی سہی۔ پانی کا حال تو خود ظاہر ہے، رہی یہ خاک اُس کی لچک درختوں کے نکلنے اور کھونٹوں کے گاڑنے سے آشکارا ہے۔

اگر زمین میں قدر قلیل مضمون سیلان یعنی وہ لچک نہیں ہے تو موٹی موٹی جڑوں اور بڑے بڑے کھونٹوں کی گنجائش کی پھر کیا صورت ہے۔ اس لئے یہ ضرور ہے کہ یہ دونوں چیزیں بھی آواز کو تھوڑا بہت پہنچایا کریں۔ ادھر اس خیال کو اپنے ادراک کے مطابق پایا کھیوں کی کھڑ کھڑ کی آواز زمین میں خود محسوس ہوتی ہے۔ یہ احساس بالبداہت اس پر شاہد ہے کہ زمین بھی واسطہ ایصالِ آواز ہے، البتہ وہ بات نہیں جو ہوا میں نظر آتی ہے۔ القصہ زمین بھی آواز کو پہنچاتی ہے مگر بہت کم۔

موت کے بعد رُوح کا جسم سے تعلق

ادھر بعد مرگ رُوح کو جسم خاکی سے بہت کم علاقہ رہ گیا اور جو کچھ تھا بھی تو جسم مذکور کی شکل وصورت کے بگڑ جانے نے اُس کو اور بھی گھٹا دیا یعنی بعد مرگ وہ علاقہ تسلط تو باقی نہ رہا۔ یہی وجہ ہے کہ بعد مرگ جسم و اعضاء جسمانی سے روح کچھ کام نہیں لے سکتی۔ البتہ علاقہ محبت باقی تھا سو شکل وصورت کے بگڑ جانے نے جو سبب عظیم نفرت ہے اُس محبت کو اور بھی کم کر دیا، کیونکہ نفرت ہوئی تو وہ رغبت کہاں جو محبت کو لازم ہے۔ الغرض اِدھر تو رُوح کو جسم سے وہ تعلق ضعیف ہو گیا جو سرمایۂ اِبصار و اِسماع تھا اُدھر واسطۂ ایصال بعد دفن آب، خاک ہے جس میں خفیف سی لچک اور قلیل سا سیلان ہے۔ اس لئے خواہ مخواہ یہی کہنا پڑے گا کہ حد قوت اسماع متکلم سے قوت سامعہ اموات جو بالفعل فقط رُوح کے ساتھ قائم ہے اور جسم سے چنداں تعلق نہیں بَری ہے۔

یہ خفیف تعلق بھی کافی ہے، اسی لئے سلام مسنون ہوا

پر بایں ہمہ تعلق بھی موجود ہے گو ضعیف ہے اور واسطۂ وصولِ آواز میں سیلان اور لچک بھی موجود ہے گو خفیف ہے، اس لئے اگر اُدھر سے باوجہ توجہ واقتراب جو محبت مذکورہ کو لازم ہے تلقی آواز یعنی استماع ہو تو بعید نہیں۔ اس لئے مناسب یوں ہے کہ قبرستان میں گزرے تو سلام سے دریغ نہ کرے اور بن پڑے تو ہدیہ مناسب وقت بھی پیش کرے ورنہ سخت بے مروّتی ہے جو یوں آنکھیں چرائے چلا جاوے۔

اس بارے میں عوام کو کیا تعلیم دی جائے؟

مگر چونکہ محتاج اور مستغنی محتاج الیہ کا پکارنا جدا جدا ہوتا ہے اور عوام اپنے خیال خام میں اولیاء کو قادر اور متصرف یعنی غنی محتاج الیہ سمجھتے ہیں تو اگر اس زمانہ میں اس امکان استماع کا بھی چرچا کیا جائے تو اس عمل سے نفع دینی تو کچھ متصور نہیں۔ البتہ قوت مضامین شرکیہ کا گمان غالب ہے۔ اس لئے یوں مناسب ہے کہ عوام کو فقط طریقہ مسنونہ زیارت قبور تعلیم کیا جائے اور اس سے زیادہ کی اطلاع نہ ہونے دے، ورنہ اس علم امکان سے ترقی مدارج تو معلوم کیونکہ ضروریات دینی میں سے نہیں۔ البتہ مؤاخذہ نقصان مذکورہ کا احتمال ہے۔

حیات انبیاء علیہم السلام

جب یہ سب باتیں نذر خدام ہو چکیں تو اس ذیل میں وہ مضمون بھی عرض کئے دیتا ہوں جو فی الجملہ ماقبل سے مناسب ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی ارواح طیبہ کو بعد مرگ بھی وہی تعلق اپنے اجسام سے رہتا ہے جو قبل مرگ تھا یہی وجہ ہے کہ اُن کے اجساد مثل اجساد احیاء پھوٹتے پھٹتے نہیں۔ چنانچہ احادیث میں موجود ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان کے ازواج مثل اَزواج احیاء اوروں سے نکاح کرنے کا اختیار نہیں رکھتے اور یہی وجہ ہے کہ اُن کے اَموال کو مثل اَموال احیاء اُن کے وارث نہیں کر سکتے۔

چند تعارضات کا جواب

اور اس وجہ سے حدیث: لا نورث کو معارض آیت یوصیکم اللّٰہ، اور آیت: لا تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابدا کو معارض آیت: والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ آیت: یوصیکم اللّٰہ اور آیت: والذین یتوفون کے مصداق وہ ہیں جن کی اَرواح کو اُن کے ابدان کے ساتھ وہ تعلق نہ رہا ہو جو حالت حیات میں تھا۔ چنانچہ للرجال نصیب مما ترک الوالدان میں لفظ ترک اور آیت: والذین یتوفون میں مادّہ توفی اس پر شاہد ہے۔ علیٰ ہذا القیاس! آیت: ولیخش الذین لو ترکوا من خلفھم ذریۃ ضعافا میں لفظ ترکوا قرینہ مضمون معروض ہے۔ کیونکہ جیسے مضمون توفی جب ہی چسپاں ہو سکتا ہے جب کوئی چیز نکال لی جائے اور یہ بات یہاں اسی وقت صحیح ہوتی ہے جب رُوح کو بدن سے نکال باہر کیا جائے۔ کیونکہ الذین کا مصدق آیت: والذین یتوفون میں وہی ہے اور نیز وہ نہ ہو تو جسم ہوا۔

اور ظاہر ہے کہ جسم مورد توفی وقت مرگ نہیں ہوتا۔ اس لئے یہی کہنا پڑتا ہے کہ رُوح کو ایسے لوگوں کی اپنے جسم سے وہ علاقہ نہیں رہتا جو وقت حیات تھا، ایسے ہی مضمون ترک بھی گرفتارانِ محبت اولاد و اَموال کے حق میں جب ہی صحیح ہو سکتا ہے جب کہ اس خاکدان سفلی کو چھوڑ کر عالم علوی کو چلے جائیں۔ سو یہ بھی جب ہی متصور ہے جب کہ رُوح کو وہ تعلق اوّل نہ رہے ورنہ وہ ترک نہیں بلکہ مثل بندیوان دست و پابستہ ملاقات اولاد و تصرف اَموال سے مجبور ہیں یہی وجہ ہے کہ قیدیوں کے ازواج و اَموال ان کی ملک سے خارج نہیں ہوتے اور یہی وجہ ہے کہ سکتہ والے کے اَزواج و اَموال بدستور اُس کے ملک میں باقی رہتے ہیں اِن دونوں میں فرق اتنا ہے کہ قیدیوں کے اجسام مقید ہوتے ہیں اور سکتہ والے کی رُوح مقید ہو جاتی ہے مگر اُس کا قید خانہ یہی جسم خاکی ہوتا ہے، اس لئے وہ

پھیلاؤ جو بذریعہ ظہور افعال اختیار یہ ہوا کرتا ہے اور نور آفتاب وقمر کے پھیلاؤ کے مشابہ ہوتا ہے، ایسی طرح بند ہو جاتا ہے جیسے چراغ پر کسی ظرف کے رکھ دینے کے وقت اُس کے نور کا پھیلاؤ بند ہو جاتا ہے۔

حیات انبیاء علیہم السلام کی کیفیت

سو یہی صورت حال بعینہٖ انبیاء علیہم السلام کی موت کی سمجھئے۔ اتنا فرق ہے کہ سکتہ میں سوائے بعض مواقع تمام اعضاء میں سے رُوح کھینچ لی جاتی ہے اور تمام قوائے رُوحانی کو مثل قوت سامعہ وقوت باصرہ اپنے اپنے مواقع سے کھینچ لیتے ہیں اور اس وجہ سے اگر تدبیر مناسب نہ بن پڑے تو رفتہ رفتہ بالکل کھینچ کر باہر کر دیتے ہیں اور اَرواح انبیاء کو بدن کے ساتھ علاقہ بدستور باقی رہتا ہے۔

پُر اطراف و جوانب سے سمٹ آتی ہے اور اس لئے حیات جسمانی کو بہ نسبت سابق ایسی طرح قوت ہو جاتی ہے، جیسے ظرف مذکور کے رکھ دینے کے بعد چراغ کے شعلہ میں نورانیت بڑھ جاتی اور سکتہ میں ایسا ہو جاتا ہے جیسے فرض کی جائے چراغ ٹمٹمانے لگے اور گل ہونے کو ہو۔ بہر حال اَرواح انبیاء کو بدستور اپنے ابدان کے ساتھ تعلق رہتا ہے بلکہ کیفیت حیات بعد بوجہ اجتماع مدت اور ہی قوت آ جاتی ہے اور مثل نور چراغ وظلمت ظرف محیط حیات وموت دونوں مجتمع ہو جاتے ہیں۔

اجتماع اضداد کے شبہ کا حل

اور اس سے بھی روشن مثال اجتماع اضداد کی ضرورت ہو تو آب گرم کی گرمی عارضی اور برودت طبعی کو پیش نظر رکھ کر اپنے اطمینان فرما لیجئے یا ادویہ حارہ کی برودت خارجی اور ادویہ باردہ کی حرارت خارجی پر نظر ڈالئے اور وہم عموم استحالہ اجتماع اضداد کو دل سے نکالئے۔ شرح اس کی یہ ہے کہ آب گرم کی برودت طبعی وقت حرارت بھی موجود ہے۔ یہی سبب ہے کہ آگ کو بجھا رہی ہے اگر وہ برودت نہ تھی تو یہ آتش کشی کیوں ہے۔ علیٰ ہذا القیاس! ادویہ میں وقت عروض کیفیت مخالف طبیعت اگر طبیعت اصلی باقی نہیں رہتی تو یہ تاثیر کیوں ہے۔ القصہ اگر ایک ضد طبعی اور ذاتی ہو اور دوسری خارجی عارضی ہو تو پھر یہ اجتماع محال نہیں بلکہ کثیر الوقوع۔ ورنہ کارخانہ عروض بالکل باطل ہو جائے۔

عروضِ اوصاف وہیں ہوتا ہے جہاں اُن اوصاف کی اضداد ہوتی ہیں، زمین میں ظلمت اصلی ہے نور تو اس پر عارض ہوتا ہے۔ ہاں! یہ محال ہے کہ دونوں وصف متضاد عارضی یا طبعی ہوں اور پھر مجتمع ہو جائیں۔

انبیاء کا سماع بعد وفات بدستور باقی رہتا ہے

مگر یہ ہے تو پھر قوت حیات جس کو قوت سامعہ کی قوت بھی لازم ہے۔ انبیاء میں اس بات کو مقتضی ہے کہ اس قوت کا تعلق قوت سامعہ سے اُس ضعف واسطہ کا تدارک ہو جائے اور اُن کا سماع بعد وفات بھی بدستور باقی رہے۔

شہداء کی اَزواج واَموال ان کی مِلک سے کیوں نکل جاتے ہیں حالانکہ ان کی حیات بھی منصوص ہے؟

اب اگر کسی کو حیات شہداء کا خیال آئے اور اس وجہ سے کچھ اور خیال آئے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حیات شہداء اجسام یعنی اجواف طیر خضر کے اعتبار سے ہے۔ چنانچہ حدیثوں میں مصرح ہے اور قرآن میں لفظ عند ربھم جو

احیاء کے ساتھ اُس طرف مشیر ہے اور جب حیات شہداء کی یہ کیفیت ہے تو ان کے اَزواج واَموال اوروں کے اَزواج واَموال کی طرح بجر دمرگ اُن کے ملک سے نکل جائیں گے۔

اَزواج کو نکاح ثانی کے لئے کتنا انتظار کرنا پڑے گا؟

البتہ اَزواج کو نکاح ثانی میں اتنا انتظار کرنا پڑے گا جس میں احتمال اختلاط نطفۂ شوہر اَوّل وشوہر ثانی نہ رہے۔ سو وضع حمل میں تو یہ بات ظاہر ہی ہے اور دس دن چار ماہ میں بایں وجہ کہ چار ماہ کے تین چلّے ہوتے ہیں اور موافق ارشاد نبوی تین چلّہ کے بعد نفخ رُوح کی نوبت آتی ہے اور دس دن میں کسی قدر قوت حرکت آہی جائے گی جس سے حمل ہوگا تو یقینی ہو جائے گا۔ یہ بات یوں ٹھیک ہو جاتی ہے کہ بوجہ ظہور حرکات جو اعلیٰ درجہ کا ظہور ہے حمل کا تیقن ہوگیا۔

تو موافق آیت: و اولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن انتظار وضع حمل کیا جائے گا ورنہ بوجہ عدم حمل بے اندیشہ ہو کر جو چاہو سو کرو۔ غرض ان دونوں آیتوں میں جو بظاہر در بارہ میعاد عدت مختلف معلوم ہوتی ہیں اختلاف نہیں بلکہ منشاء دونوں آیتوں کا وہی نطفوں کے اختلاط کا بچاؤ ہے اتنا فرق ہے کہ وضع حمل کے بعد خلو رحم کا یقین تھا اور اس لئے اختلاط کا احتمال ہی نہ تھا وہاں تو بطور قطع یہ فرما دیا۔ اجلھن ان یضعن حملھن اور دس دن چار ماہ میں اتنا معلوم ہو جاتا تھا کہ حمل ہے کہ نہیں اس لئے تربُص ارشاد ہوا جو بمعنی انتظار ہے۔ الحاصل ازواج (شہداء) مثل ازواج دیگر اَموات اُن کی ملک سے نکل جاتی ہیں اور مثل اَزواج دیگر اموات عدت متعینہ تک اُن کو ممانعت نکاح ہے۔ پَر یہ ممانعت جیسے بوجہ بقاءِ ملک اور اموات نہیں بلکہ بوجہ اختلاط اندیشۂ نسب ہے تاکہ احکام صلہ ومیراث ونکاح وسفر میں کچھ آمد ورفت پیش نہ آئے اور موافق ارشاد: جعلنا کم شعوبا و قبائل لتعارفوا احکام مذکورہ میں حقیقت الحال معلوم رہے کچھ اشتباہ نہ ہو۔

شہداء اور عام اَموات

اور وجہ تساوی کی جو شہداء اور اَموات باقیہ میں ملحوظ رہی وہی ہے کہ اس بدن کے اعتبار سے دونوں کی موت برابر ہے یعنی دونوں یہاں کے جسم سے بے علاقہ ہو جاتی ہیں بلکہ شہداء کی بے تعلقی کچھ زیادہ ہو تو تعجب نہیں کیونکہ اُن کو جب نعم البدل عنایت ہوگیا تو اَب اس جسم کی محبت کیا رہی ہوگی۔ اس لئے اُن کے سماع اور اُن کی قبور سے استفاضہ زیادہ مستبعد ہے اور اُن کی اَزواج واَموال زیادہ تر قابل اجازت غیر ہیں۔ کیونکہ احتمال استماع بوجہ بقاءِ محبت تھا اور امکان فیض بھی اُسی محبت اور توجہ پر مبنی تھا اور اَزواج واَموال سے قطع اُمید اغیار بایں نظر تھی کہ اَزواج تو موافق ارشاد: ''نسائکم حرث لکم'' مزرعۂ اولاد ہیں اور ظاہر ہے کہ تخم اولاد یعنی نطفۂ والد جو اس مزرعہ میں بویا جاتا ہے وہ موافق قاعدۂ نباتات اسی جسم سے پیدا ہوتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس! اموال جو موافق ارشاد جعل اللّٰہ لکم قیاما اور نیز بالبداہت بغرض حفظ جسم خاکی یا مرمت جسم خاکی عنایت ہوا ہے، اسی بدن کے لئے ہے۔

ایک بہترین مثال

سو جیسے گھوڑا ہے تو گھاس دانہ کا بھی فکر ہے اور وہ نہ رہے تو ان سے بھی مطلب نہیں رہتا، ایسے ہی یہ بدن

ہے تو اَزواج واَموال سے بھی تعلق ہے اور اس بدن ہی کو چھوڑ گئے تو پھر اُس کے متعلقات سے کیا مطلب رہ گیا؟ اس لئے یوں مناسب ہے کہ یہ اللہ کی نعمتیں بے وجہ بے کار نہ رہیں۔ یعنی اَموال کو اس کے وارثوں میں تقسیم کردیا جائے اور اَزواج کو اجازت ہوجائے کہ وہ اپنا فکر خود کرلیں۔

انبیاء علیہم السلام اور عام اَموات میں ایک فرق

مگر اور لوگ تو سب کو چھوڑ جاتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام فقط مال کو چھوڑ دیتے ہیں۔ کیونکہ اَزواج دینے کے قابل ہی نہیں جو چھوڑ دیجئے بالجملہ انبیاء علیہم السلام اَموال کو چھوڑ دیتے ہیں اور اَموات باقی اَزواج اَموال دونوں کو چھوڑ جاتے ہیں۔

چنانچہ وقت موت اوروں کی مجبوری اور اَنبیاء کی خودمختاری جس پر اُن کی رضا سے اُن کی اَزواج کا مقبوض ہونا دلالت کرتا ہے۔ اس فرق پر شاہد ہے اور ظاہر ہے کہ چھوڑ جاتے ہیں تو جانے کی ضرورت میں چھوڑنا پڑتا ہے۔ ورنہ اَصل میں چھوڑنا ناگوار ہوتا ہے اور چھوڑ دینے میں دینے کے لئے بااختیار خود چھوڑتے ہیں۔ سو اسی فرق کے اظہار کے لئے آپ نے ارشاد فرمایا: ماترکناہ صدقة تاکہ لفظ صدقہ چھوڑ دینے پر دلالت کرے اور کسی کو چھوڑ جانے کا وہم نہ ہو جو انجام کار یہ وہم نہ ہو کہ ترک ہے تو مماترک میں آپ کا متروکہ بھی داخل ہوگیا۔ اس لئے یوں مناسب ہے کہ موافق ارشاد یوصیکم اللہ اُس میں بھی میراث جاری ہو۔ کیونکہ چھوڑنا جو مفہوم ترک ہے گو دونوں میں مشترک ہے مگر وہی فرق ہے جو میں نے عرض کیا۔ اسی لئے جیسے رسول اللہ ﷺ نے لفظ صدقہ سے ایک قسم ترک کو متعین کردیا۔ ایسے ہی لفظ للرجال نصیب وللنساء نصیب سے خدا نے اوروں کے حق میں قسم ثانی ترک کو معین کردیا۔ علیٰ ہذا القیاس! آیت: ولیخش الذین بقرینۂ خافوا علیھم میں قسم ثانی کی تخصیص فرمادی۔

اس فرق کی تشریح

شرح اس معما کی یہ ہے کہ خوف اُسی وقت متصور ہے جب کہ بہ مجبوری چھوڑ کر جایئے اور باختیار خود چھوڑ دیجئے تو کیا خوف ہے جو چیز اوروں کو دے بیٹھتے ہیں وہ ضائع ہو یا باقی رہے اُس کا کیا خوف۔ علیٰ ہذا القیاس! اَموال کو باختیار خود ہم وقت مرگ چھوڑ دیا کریں تو جس کو ہم دے جایا کریں وہ اُسی کا ہے جیسے ایام حیات کے تصرفات میں خدا کو کچھ مزاحمت نہ تھی۔ اس صورت میں وقت مرگ بھی خداوند عالم دخل نہ دیتے مگر یہ ارشاد اُسی بناء پر ہے کہ اموات اپنے اَموال کو چھوڑ کر جاتے ہیں، چھوڑ دینا نہیں ہے۔ چنانچہ موت کی مجبوری خود اس پر شاہد ہے کہ دل خستہ بدستور لبریز محبت ازواج واَموال واولاد ہے پھر کیونکر کہہ دیجئے کہ ہم چھوڑ دیتے ہیں۔ نہیں یہ چھوڑ جانا ہے۔ سو یہ چھوڑ جانا اسی وقت متصور ہوا کہ جسم سے اخراج روح ہو اور جس قسم کا اُس کا دخول تھا جس پر یہ تمام آثار تسلط یعنی باختیار خود جسم اور اعضائے جسم سے کام لینا دلالت کرتا ہے، اس کے مناسب خروج متحقق ہوجائے سو یہ بات بدلالت فرق احکام مذکورہ اور اَموات میں تو ہوتی ہے۔ پر اَنبیاء میں نہیں ہوتی۔

اَرواحِ اَنبیاء علیہم السلام کا اِخراج نہیں ہوتا

یعنی بقاء اجساد اَنبیاء کرام علیہم السلام کے لئے ضروری ہونا اور سواء اُن کے اوروں کے لئے ضروری نہ ہونا